Scanned by CamScanner

سازِ سخن

(انتخاب)

ادا جعفری

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

rekhta

Scanned by CamScanner

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اُردو بازار۔ دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ 202001

پہلی بار مئی ۱۹۸۸ء تعداد 750 قیمت =/45

لبرٹی آرٹ پریس (پرو پرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس۔ دریا گنج نئی دلی میں طبع ہوئی

Scanned by CamScanner

امّی کے نام

وہ
یہاں نہیں ہیں
مگر یہ لگتا ہے جیسے اب بھی مرے قریں ہیں!

rekhta

Scanned by CamScanner

فہرست

rekhta

Scanned by CamScanner

سازِ سخن بہانہ ہے

Scanned by CamScanner

تعارف

اردو ادب میں تین خواتین ایسی ہیں جو اپنی انفرادیت کے سبب افسانہ، شاعری اور تنقید میں اوّلیت کا اعزاز رکھتی ہیں۔ عصمت چغتائی۔ ادا جعفری اور ممتاز شیریں۔ ۱۹۳۶ء کی ادبی تحریک نے جہاں مرد اہلِ قلم کو متاثر کیا اور فکر و اسلوب کی نئی راہیں متعین کیں، وہیں خواتین کو بھی حیات و کائنات کے مسائل پر نئے زاویے سے سوچنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ پیرایۂ اظہار کی اُس روش میں بھی تبدیلی آئی جو روایت کی اندھی پرستش سے عبارت تھی۔ زندگی کی رواں دواں حقیقتوں پر نگاہ ڈالنے سے خود بینی و جہاں بینی کا ایک نیا انداز وجود میں آیا اور ادب و شعر کو وہ آگہی نصیب ہوئی جو اب سے پہلے شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

اِس حوالے سے ادا جعفری کو جدید اردو شاعری کی "خاتونِ اوّل" کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

ادا جعفری کا پہلا مجموعۂ کلام "میں ساز ڈھونڈتی رہی" ۱۹۴۷ء میں مرتّب ہو چکا تھا جو تقسیم ہند کی وجہ سے ۱۹۴۹ء یا ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ اس کے پیش لفظ میں قاضی عبدالغفار صاحب لکھتے ہیں۔

"جدید ادب و شعر کے معماروں کی صفِ اوّل میں ادا بدایونی کا نام اور کلام بہت نمایاں ہے۔ ان کے کلام میں قدیم اور فرسودہ نظامِ زندگی کے خلاف

Scanned by CamScanner

بغاوت کا ایک بے پناہ جذبہ کارفرما ہے۔ اُن کی آواز سراپا طلب اور احتجاج ہے۔ اُن کے اندازِ بیان سے ایک ایسی قوتِ ارادی مترشح ہے جس کے بغیر جدید ادب کے کسی معمار کا پیام موثر نہیں ہو سکتا۔"

اور جب اُن کا دوسرا مجموعۂ کلام "شہرِ درد" شائع ہوا تو فیض احمد فیض نے لکھا۔

"ادا بدایونی جو ساز ڈھونڈ رہی تھیں، غالباً اب ادا جعفری کو شہرِ درد میں ہاتھ آگیا ہے۔ ادا کے لہجے میں اب ایسا تیقن اور اُن کی آواز میں ایسی تمکنت ہے جو شاعر کو جہدِ اظہار میں اپنا مقام ہاتھ آجانے کے بعد ہی نصیب ہوتی ہے۔ شہرِ درد نہایت موثر، باسلیقہ اور باوقار کلام کا مجموعہ ہے۔"

تیسرے مجموعے "غزالاں تم تو واقف ہو" میں یہ تیقن، یہ سلیقہ اور وقار اور بھی نمایاں نظر آتا ہے۔

لکھا گیا مجھے آوازِ خامشی کی طرح
خود اپنا عکس بنوں، سایۂ ہنر میں رہوں

ان کے چوتھے مجموعے کا نام ہے "سازِ سخن بہانہ ہے"۔ یہ نام اُس حقیقت کی پردہ کشائی کرتا ہے جو اُن کی شخصیت کی پہچان ہے۔ ایک مضطرب روح، جو کچھ کہنا چاہتی ہے اور کہہ کر بھی مطمئن نہیں ہوتی۔

مرے حرف حرف کے ہاتھ میں سبھی آئینوں کی ہیں کرچیاں
جو زباں سے ہو نہ سکا ادا، بہ حدودِ بے سخنی کہا

اور یہ عمل آج بھی جاری ہے۔

ادا جعفری نے "ہائیکو" بھی کہے ہیں۔ تکنیک کی مخصوص بندشوں سے قطع نظر اس صنفِ سخن میں بھی انھوں نے اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے اور غزل کی اختصار پسندی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہایت جامع، فکر انگیز اور پُرکشش ہائیکو لکھے ہیں۔

Scanned by CamScanner

ادا جعفری اُن شاعرات میں سے نہیں ہیں جو نسائیت کے اظہار کو نمایش کی حد تک لے آتی ہیں۔ اور اس حجاب سے بے نیاز ہو جاتی ہیں جو شاعری کا جوہر ہے۔ ادا کی سلیقہ مندی اسی عظیم روایت کی عطا ہے جس کی زرخیزی جدّت کے خوبصورت امکانات کی ضامن ہے۔ وہ جدید شاعرہ ہونے کے باوجود اُس جدیدیت کی دلدل سے دور ہیں جو اکثر شعرا کو ڈبو چکا ہے۔

شعر و ادب سے اگر ابلاغ مفقود ہو جائے تو بقول فانیؔ بدایونی اِک معمّا ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ الفاظ سے کھیلنے والے ناقدین ایسی تخلیقات کے بارے میں کوئی حاشیہ آرائی کریں، چاہے زندگی کو دلوانے کا خواب ہی کہ کر اس کی بے معنویت کا جواز پیش کریں۔ اور لاشعور کی رو کا حوالہ دے کر نفسیاتی نکتہ آفرینی سے اپنی تنقید کو معتبر بنانے کی کوشش کریں۔ شاعر معتبر نہیں ہوتا۔

ادا جعفری کی شاعری ان تمام لفظی گورکھ دھندوں سے پاک ہے۔ وہ جو کچھ سوچتی اور محسوس کرتی ہیں ادبی قرینے کے ساتھ پیش کر دیتی ہیں۔ علّامہ اقبال کا ایک شعر ہے۔

نغمہ کجا و من کجا، سازِ سخن بہانہ ایست
سوے قطار می کشم، ناقۂ بے زمام را

ان کی چوتھی کتاب کا نام اِسی شعر سے ماخوذ ہے۔ اِس شعر کی روشنی میں اگر ان کے پورے کلام کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہد کی دوسری شاعرات سے کتنی مختلف ہیں، ایک ناقۂ بے زمام کو سوے قطار لانے میں ان کی شاعری نے کیا کردار ادا کیا ہے اور وہ نسائی تشخص جو اردو شاعری میں اپنا وقار کھو چکا تھا۔ ادا جعفری کے اسلوب میں کس تمکنت کے ساتھ نمایاں ہوا ہے نئی نسل کے نام اپنی ایک نظم میں وہ کہتی ہیں۔

مرے بچّے
مجھے جب دیکھنا، جب سوچنا چاہو

Scanned by CamScanner

تو بس اپنی طرف دیکھو
تمھارے لب پہ جو حرفِ صداقت ہے ــــ یہی میں ہوں
تمھارے دل میں جو نازِ جسارت ہے ــــ یہی میں ہوں
نگاہوں میں جو اک طرزِ عبادت ہے ــــ یہی میں ہوں
محبت کی طرح میں بھی ہوں بے پایاں
کبھی ظاہر، کبھی پنہاں
جہاں تم ہو، وہاں تک میری خوشبو ہے ــــ وہاں میں ہوں

مکتبہ جامعہ کے جنرل منیجر شاہد علی خاں کی یہ کاوش قابلِ داد ہے کہ انھوں نے اس انتخاب کو شائع کرکے ہندستان کے ادبی حلقوں کو، ادا جعفری کے کلام کے مطالعہ کا موقع فراہم کیا۔

حمایت علی شاعر
شعبۂ اردو سندھ یونی ورسٹی
جام شورو، پاکستان

Scanned by CamScanner

چند باتیں

میں ساز ڈھونڈتی رہی تے سے سازِ سخن بہانہ ہے تک ـــــ

بات اتنی ہی ہے کہ اس راہ میں ذوقِ سفر تھکتا نہیں. یہاں تو ہر موڑ پر ایک نئی دُنیا سے تعارف ہوتا ہے.

پہلے پہل آئینہ حیرتی ہوتا ہے کہ اسے اپنے آپ کو تسلیم کرنے کے لیے بھی کسی عکس کی چاہت ہوتی ہے. اور پھر جب دھوپ اور ہوا اور بارش ہر پہلو سے اس کو تراشتی ہے تو جس تس کا منہ تکنے کی حاجت نہیں رہتی. پھر تو ساتوں رنگ آپ ہی اس میں منعکس ہوتے ہیں. نہیں. نگاہ کسی ایک نقطے. کسی ایک مقام پر آکر ٹھہر نہیں جاتی. حیرتیں کھو نہیں جاتیں. صرف جہتیں تبدیل ہو جاتی ہیں.

صبح بھی قبا سے رنگ میں ملبوس آتی ہے اور شام بھی. رنگِ شفق لہو کا اشارہ بھی ہے اور گُل و لالہ کا استعارہ بھی. لہو زندگی ہے. ترنگ ہے اور لالہ و گُل امنگ. طلوعِ سحر کے بعد طلوعِ شب کا منظر بھی دیدنی ہوگا. رات جو ایک اور صبح کی نوید ہوتی

ہے۔ میں زندہ ہوں اور اپنے مولا کے پاس زندہ ہی واپس جاؤں گی۔ اس کی بارگاہ میں موت کا گزر نہیں ہے)

یہ حقیقت ہے کہ آج سے تقریباً چالیس سال پہلے ہبر ژان شوق کا ایک کارواں جدید شاعری کا پرچم اپنے ہاتھوں میں لے کر چلا تھا۔ اور ایک لڑکی تھی جو بڑے اعتماد اور حوصلے کے ساتھ اس کارواں میں شریک ہوئی تھی ——— مجھے اپنی روایات جتنی عزیز ہیں روایتوں سے بغاوت بھی اتنی ہی عزیز رہی ہے ——— اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد میں اکثر تنقید نگاروں نے اس قافلۂ شوق کے رہ نوردوں میں اس کا نام لینا الفاظ کا زیاں جانا اور ایک طرح اُن پر احسان کیا۔

——— وہ جو ایک جوئے آہستہ خرام تھی ان ننھے منّے سنگریزوں نے اس کی راہ میں آکر اسے رازِ سرشاریِ رفتار سے آگاہ کیا۔

"میں ساز ڈھونڈتی رہی" اپنی پہچان کا پہلا لمحہ تھا اور کچھ محترم نقّادوں کی نظر میں اردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی جرأتِ اظہار۔ یہ کتاب ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی۔

اس کے بعد تقریباً دس بارہ سال کا عرصہ خاموشی میں گزرا۔ اس طویل خاموشی کی اصل وجہ میں خود بھی نہیں جانتی۔ شاید یوں ہو کہ اس وقت میرے پاس کہنے کو کوئی بات نہیں تھی۔ یا شاید یہ وجہ ہو کہ اُن دنوں مامتا کے جذبے سے پہلی بار متعارف ہوئی تھی۔

جھولی میں اتنے پھول تھے کہ نظر اٹھا کر کسی اور سمت دیکھنے کا ہوش ہی نہیں تھا۔

لیکن اجلے اجلے دھندلکوں کی طرح خود فراموشی کتنی ہی دلفریب کیوں نہ ہو شکر ہے کہ دائمی نہیں ہوتی۔ اس بار میرا کھویا ہوا قلم جب مجھے واپس ملا تو بھرپور اجالوں کی تمنا "شہر درد" تک لے آئی۔ میری یہ کتاب ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔

تیسری کتاب "غزالاں تم تو واقف ہو" ۱۹۷۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔
ایک غیر معروف شاعر نے ایک غیر فانی شعر کہا تھا ؏

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

اس شعر میں ایک شہر کے زخموں کی داستان تھی اور میری یہ کتاب جن دنوں کی کہانی کہتی ہے وہ دن میرے دیس، بلکہ پورے جنوبی ایشیا پر بھاری تھے۔ یہ خطۂ زمین اور میرا دل دونوں زخمی تھے۔ اس کتاب میں زیادہ تر نظمیں وہی ہیں جو اُن چند برسوں میں لکھی گئی تھیں جب انسان انسان سے بدظن ہو گیا تھا۔ جب بھائی نے بھائی کے خون سے ہاتھ رنگے تھے۔ اِس کتاب میں سقوطِ انسانیت کے نوحے تھے۔ مگر میں ماں ہوں اور ماں کبھی مایوس نہیں ہوتی، چنانچہ یہ کتاب میرے اندھیروں اجالوں کی کہانی ہے۔ اس کتاب میں چند نظموں کی شکل میں ایک

Scanned by CamScanner

مختصر سا سفر نامہ بھی ہے۔ جب اجنبی شہروں کو جگمگاتے دیکھ کر مجھے اپنے گھر کے اندھیرے یاد آجاتے تھے۔ اور اسی کتاب میں میری وہ نظم بھی ہے جو میں نے اپنی بیٹی صبیحہ کی شادی کے موقع پر کہی تھی: "رخصت"۔

اور اب "سازِ سخن بہانہ ہے" پیش کرتے ہوئے یہ کہنے کو دل چاہتا ہے کہ میں خالی ہاتھ کبھی نہیں رہی۔ میرے آنچل میں پھول بھی ہیں جن کے اجالوں نے میرے شب و روز کو حسن عطا کیا اور کانٹے بھی جن کی خراشوں نے مجھے جینے کا ہنر سکھایا۔ میں دونوں کی شکر گزار ہوں۔

میں نے شاعری کا سفر ایک ہی لفظ کی آرزو کے سایے سایے طے کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ حرفِ صداقت جو لکھنے والے پر فرض بھی ہوتا ہے۔ اس پر قرض بھی ہوتا ہے جو دین ہے جو وطن کی محبت ہے۔ جو خود انسان کا اس روئے زمین پر مرتبہ ہے۔

اور یہ جو تصویریں ہیں یہ نہ کسی چوپال کی ہیں نہ کسی محل سرا کی یہ دلوں کے اندر کی، ذات کے تہ در تہ حجابوں کی تصویریں ہیں یہ زندگی کے خاکے ہیں۔ کچھ میری ذاتی کچھ ہماری اجتماعی زندگی کے کچھ دکھ سکھ میرے اپنے ہیں۔ کچھ اذیتیں اور راحتیں آپ کی ہیں۔ شاید کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکا اور میں بھی نہیں کہتی کہ میں نے جو دیکھا، جو سوچا اور جو چاہا وہ سب کہہ سکی ہوں۔ اتنا ہے

Scanned by CamScanner

کہ زندگی کی سچائیوں نے مجھے جو پھولوں اور زخموں کے گجرے
دیے ہیں وہی میری متاع ہیں۔ میں جس عہد میں زندہ ہوں
یہ اس عہد کے خواب ہیں۔ اس کتابِ جاں کی تفسیروں کے ساتھ
میں کتنا انصاف کر سکی ہوں اس کا فیصلہ شاید آپ کریں۔ شاید
وقت کرے۔

اس مجموعے میں ایک بہت پرانی نظم بھی شریک ہے۔ یہ میری
پہلی کتاب میں شاملِ اشاعت نہیں ہے۔ یہ نظم غالباً ۴۸ء یا ۴۹ء
میں کہی تھی۔ کسی رسالے میں (جس کا نام اب مجھے یاد نہیں) شائع
ہوئی تھی اور پھر میں اس کو بھول گئی۔ پچھلے دنوں لوگوں نے ایک
سے زیادہ بار اس کا ذکر کیا تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ تلاش کر کے
اس کو اس کتاب میں شریکِ اشاعت کر لیا جائے۔

ایک بار پھر یہ وضاحت ضروری ہے کہ میں نے ابتدائی
زمانے میں چند نظموں پر جناب اثرؔ لکھنوی سے اصلاح لی تھی۔
آج بھی ان کی شکر گزار ہوں، مگر بارہ تیرہ سال کی عمر اُس زمانے
میں بھی بغاوت کی عمر ہوا کرتی تھی۔ اس لیے یہ سلسلہ بہت مختصر رہا۔
ان کے سوا کسی اور سے "مشورہ" نہیں کیا۔

اس کے بعد کچھ میں نے زندگی سے سیکھا اور کچھ میری زندگی نے
مجھ سے سیکھا۔

ادا جعفری
۲۹ مارچ ۱۹۸۲ء

Scanned by CamScanner

میں ساز ڈھونڈتی رہی

احساس اولیں

ایک موہوم اضطراب سا ہے
اک تلاطم سا پیچ و تاب سا ہے
امڈے آتے ہیں خود بخود آنسو
دل پہ قابو نہ آنکھ پر قابو
دل میں اک درد میٹھا میٹھا سا
رنگ چہرے کا پھیکا پھیکا سا
زلف بکھری ہوئی پریشاں حال
آپ ہی آپ جی ہوا ہے نڈھال

Scanned by CamScanner

سینے میں اک چبھن سی ہوتی ہے
آنکھوں میں کیوں جلن سی ہوتی ہے
سر میں پنہاں تصورِ موہوم
ہائے یہ آرزوئے نامعلوم
ایک نالہ سا ہے بغیر آواز
ایک ہلچل سی ہے نہ سوز نہ ساز
کیوں یہ حالت ہے بیقراری کی
سانس بھی کھل کے آ نہیں سکتی
روح میں انتشار سا کیا ہے
دل کو بیانتظار سا کیا ہے

rekhta

Scanned by CamScanner

بیزاری

زیست اک خوابِ طربناک و فسوں ساز سہی
رس بھرے نغموں کی اک دلنشیں آواز سہی
فرشِ مخمل بھی، زر و سیم کی جھنکار بھی ہے
جنّتِ دید بھی ہے، عشرتِ گفتار بھی ہے

چشمِ سرشار کا اعجاز سہی
زیست اک خوابِ طربناک و فسوں ساز سہی!

قہر ہے اُف یہ تسلسل، یہ تواتر، یہ جمود

یہ خموشی، یہ تسلّی، یہ گرانبار سکوت
شوق کو رخصتِ پرواز نہیں
رفعتِ روح کا در باز نہیں
جسم آسودہ سہی رُوح مگر ہے بے تاب
ایک بے نام تغیّر کے لیے
درد کی ٹیس سہی لذّتِ جاوید نہیں
نغمہ امید نہیں
قہر ہے اُف یہ تسلسل، یہ تواتر، یہ جمود!

سوچتی ہوں کہ کوئی جملۂ تاریک ہے کیا
یہ گرانبار تسلسل
یہ حیاتِ جامد

Scanned by CamScanner

جس کی دیواروں کی سنگینی سے لرزاں ہے خیال

کوئی روزن بھی نہیں، کوئی دریچہ بھی نہیں

ایک دنیا ہے کہ ہے تیرہ و محدود و اُداس

نور و نکہت سے گریزاں، مہ و انجم سے نفور

جس کی دیواروں کی سنگینی سے لرزاں ہے خیال!

کاش پڑ جائے کہیں ایک خراش —— ایک شگاف

غم کے ہاتھوں ہی سہی

اور بھولے سے کبھی

کوئی آوارہ سی، چنچل سی کرن آ نکلے

ایک لمحہ کے لیے

میرے تاریک گھروندے میں اجالا ہو جائے!

Scanned by CamScanner

غزل

یہ کس کی راہگزر میں دیے جلائے ہیں
یہ کیوں مژہ یہ ستارے سے جھلملائے ہیں

بجھا۔ بجھا کے چراغِ وفا جلائے ہیں
خطا معاف، سمجھ کر فریب کھائے ہیں

ادا ادا نے چلائے ہیں بے دھڑک نشتر
سنبھل سنبھل کے نگاہوں نے زخم کھائے ہیں

جنھیں نصیب تری کم نگاہیاں بھی نہیں
وہ کم نصیب ابھی آسرا لگائے ہیں

Scanned by CamScanner

فریبِ ہوش کی دیوانہ سازیاں توبہ
بقدرِ حدِّ جنوں حوصلے بڑھائے ہیں

بھٹک بھٹک کے پہنچ ہی رہیں گے منزل تک
نشانِ راہ سے بچ کر قدم اٹھائے ہیں

وہ اور ہوں گے کنارے سے دیکھنے والے
مری نہ پوچھ کہ طوفاں کے ناز اٹھائے ہیں

خدا نکردہ کچھ احسانِ برق و باد نہیں
ہم آرزوے نشیمن پہ مسکرائے ہیں

بہار ریز افق پر دھواں دھواں کیسا
چمن کی خیر! یہ کس آرزو کے سائے ہیں

فروغِ حسنِ نظر دیکھ کر رہا نہ گیا
کہاں پہنچ کے ادا پاؤں لڑکھڑائے ہیں

rekhta

Scanned by CamScanner

میں ساز ڈھونڈتی رہی

بہار کھلکھلا اُٹھی

جنوں نواز بدلیوں کی چھاؤں میں

جنوں نواز بدلیوں کی چھاؤں میں بہار کھلکھلا اٹھی

ہر ایک شاخِ لالہ زار سجدہ ریز ہو گئی

ہر ایک سجدہ ریز شاخسار پر طیور چہچہا اٹھے

ہوائے مرغزار گنگنا اُٹھی

فضائے نو بہار لہلہا اُٹھی

rekhta

Scanned by CamScanner

ہوائے نو بہار میں، فضائے مرغزار میں حیات مسکرا اٹھی

جنوں نوازیاں بڑھیں

فسانہ سازیاں بڑھیں

ادائے نازکی کچھ اور بے نیازیاں بڑھیں

کچھ اس ادائے ناز سے بہار کھلکھلا اٹھی

جنوں نواز اودی اودی بدلیوں کی چھاؤں میں!

مگر بہار کو ابھی تک آرزوئے نغمہ تھی

شہیدِ کیفِ انتظار و جستجوئے نغمہ تھی

بس ساز ڈھونڈنے لگی

نوائے شوخ و مست و دلنواز ڈھونڈنے لگی

بصد غرور و افتخار و ناز ڈھونڈنے لگی

rekhta

Scanned by CamScanner

مَیں ساز ڈھونڈتی رہی

بہار کی فضاؤں میں

جنوں نواز بدلیوں کی بھینی بھینی چھاؤں میں

مَیں محوِ جستجو رہی

مگر یہ میری بھول تھی

حیات اپنی رس بھری کہانیاں سنا چکی

ہوائے مرغزار لوریاں سنا کے جا چکی

فضائے نو بہار جامِ ارغواں لنڈھا چکی

بہار کی نشیلی انکھڑیوں میں نیند آ چکی

مگر مَیں ڈھونڈتی رہی

مجھے وہ سازِ دلنواز آج تک نہ مل سکا

وہ اودی اودی بدلیاں کہ فخرِ صد بہار تھیں

Scanned by CamScanner

فلک کی چشمِ خوں فشاں سے اشک بن کے ڈھل گئیں

دکھائی دے رہی ہے کائنات کچھ لٹی لٹی

دھوئیں کی بو سے ہے فضا کی سانس بھی گھٹی گھٹی

زمیں پہ شعلہ باریاں، فلک پہ گڑگڑاہٹیں

کہ سن رہے ہیں چشم و دل نظامِ نو کی آہٹیں

بہار بیت ہی چکی خزاں بھی بیت جائے گی

مگر میں ایک سوچ میں پڑی ہوئی ہوں آج بھی

وہ میری آرزو کی ناؤ کھے سکے گا یا نہیں

نظامِ نو بھی مجھ کو ساز دے سکے گا یا نہیں !؟

Scanned by CamScanner

نقرئی دھندلکے

ڈھلکے ڈھلکے آنسو ڈھلکے

چھلکے چھلکے ساغر چھلکے

دل کے تقاضے ان کے اشارے

بوجھل بوجھل ہلکے ہلکے

دیکھو دیکھو دامن اُلجھا

ٹھہرو ٹھہرو ساغر چھلکے

ان کا تغافل، ان کی توجّہ

اک دل اس پر لاکھ تہلکے

ان کی تمنّا، ان کی محبّت

دیکھو سنبھل کے، دیکھو سنبھل کے

rekhta

Scanned by CamScanner

غم نے اٹھائے سیکڑوں طوفاں

دل نے اٹھائے لاکھ محلکے

پل میں ہنساؤ، پل میں رلاؤ!

پل میں اجالے پل میں دھندلکے

ہم نے نہ سمجھا تم نے نہ جانا

دل نے مچائے لاکھ تہلکے

لاکھ منایا، لاکھ بھلایا

نین کٹورے بھر بھر چھلکے

کتنے الجھے، کتنے سیدھے

رستے ان کے رنگ محل کے

کڑیاں جھیلیں، پاپڑ بیلے

جھلکے اب تو مکھڑا جھلکے

Scanned by CamScanner

دو نین کمل

دو نین کمل

گھونگٹ میں گھنیری رات لیے

آنچل میں بھری برسات لیے

کچھ پائے ہوئے، کچھ کھوئے بھی

کچھ جاگے بھی، کچھ سوئے بھی

چنچل اوشا کے بان لیے

گھمبیر گھٹا کا مان لیے

ساون کے سجل سنگیت بھرے

rekhta

Scanned by CamScanner

کچھ ہار بھرے کچھ جیت بھرے

کچھ بیتے دنوں کی کروٹ سی

کچھ آتے دنوں کی آہٹ سی

کن گلیوں دیپ جلائے سکھی

یہ بھونرے کت منڈلائے سکھی

سپنوں سے بوجھل بوجھل

دو نین کمل !

کچھ گھبرائے، کچھ شرمائے

کچھ شرما شرما اترائے

سکھی! بھیدی بھید نہ پا جائے

کچھ الجھی سلجھی آشائیں

کچھ بوجھی بوجھی بھاشائیں

Scanned by CamScanner

کچھ بکھرے بکھرے راگ لیے

کچھ میٹھی میٹھی آگ لیے

انوراگ لیے بیراگ لیے

متوالے من کو رنگ دیا

سکھی! کس برہن نے جوگ لیا

نینوں سے اوجھل اوجھل

دو نین کمل!

rekhta

Scanned by CamScanner

یہ جیون یونہی بیتے گا

اَن گنت سانسوں کی الجھی ہوئی زنجیروں میں
زندگی ہے کہ جکڑتی ہی چلی جاتی ہے
بجھ کے رہتی بھی نہیں اور بھڑکتی بھی نہیں
آگ سی ہے کہ سلگتی ہی چلی جاتی ہے

وقت کس جنتِ موہوم کا لالچ دے کر
مجھ کو ماضی کے جزیروں سے اُٹھا لایا ہے
میں انھیں سیم گوں کرنوں میں پروتی ہی رہی
میرے بکھرے ہوئے خوابوں کو چرا لایا ہے

rekhta

Scanned by CamScanner

ذہن پر جیسے ہوں بیتے ہوئے لمحوں کے نقوش
جیسے بھولی ہوئی یادیں کسی افسانے میں
اس طرح لا کے یہاں چھوڑ گیا ہے کوئی
جیسے بھٹکا ہُوا راہی کسی ویرانے میں
چلتے چلتے انھیں ان جانی گزرگاہوں میں
دھیرے دھیرے کبھی وہ وقت بھی آجاتا ہے
کائنات ایک ہی آنسو میں سمٹ آتی ہے
زد پہ آندھی کی دیا کانپ رہا ہو جیسے
تھک کر افسردہ و ویران گزرگاہوں میں
آخری عہدِ وفا ہانپ رہا ہو جیسے
اور یہ آنسو کہ پلکوں سے ڈھلکتا بھی نہیں
ہائے یہ ساغرِ لبریز چھلکتا بھی نہیں

Scanned by CamScanner

شکستِ ساز

میں نے گل ریز بہاروں کی تمنّا کی تھی
مجھے افسردہ نگاہوں کے سوا کچھ نہ ملا
چند سہمی ہوئی آہوں کے سوا کچھ نہ ملا
جگمگاتے ہوئے تاروں کی تمنّا کی تھی

میں نے موہوم امیدوں کی پناہیں ڈھونڈیں
شدّتِ یاس میں مبہم سا اشارہ نہ ملا
ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو سہارا نہ ملا
ہائے کس دشت بلاخیز میں راہیں ڈھونڈیں

Scanned by CamScanner

اب فسوں ساز بہاروں سے مجھے کیا مطلب

آج ہیں میری نگاہوں میں وہ منظر توبہ

میں نے دیکھے ہیں ٹپکتے ہوئے نشتر توبہ

خلد بر دوش نظاروں سے مجھے کیا مطلب

آسماں نور کے نغمات سے معمور سہی

میں نے گھٹتی ہوئی چیخوں کے سنے ہیں نوحے

ہائے وہ اشک جو پلکوں سے ڈھلک بھی نہ سکے

زندگی حسن و جوانی سے ابھی چور سہی

کبھی ضو پاش ستاروں کی تمنا تھی مجھے

آج ذرّوں کو بھی مقصود بنا رکھا ہے

آج کانٹوں کو کلیجے سے لگا رکھا ہے

کبھی گلریز بہاروں کی تمنا تھی مجھے!

Scanned by CamScanner

شہرِ درد

اعتراف

سوچتی ہوں، مقدس وفاؤں کی قربان گہہ پر چلوں

اعترافِ گنہ آج میں کر نہ لوں ؟

برہمیِ دلِ دوستاں کی سزاوار ہوں

میں خطاکار تھی، میں خطاکار ہوں

ساتھ میں ہر قدم پر تمہارا نہیں دے سکی

میں کبھی منزلوں تم سے آگے رہی

rekhta

Scanned by CamScanner

مجھ کو قالین پا رسے بچھانے کی تو مقدرت ہی نہ تھی

راستے میں مگر جتنے کانٹے ملے

اُن کو اپنے دل و جاں میں پیوست کرتی گئی

ہاں مبادا اگر ندا اُن سے پہنچے تمھیں

ساتھ بے اشک مھارا نہیں دے سکی

مَیں کبھی نقشِ پا کی صفت پیچھے پیچھے چلی

تاکہ مسلی ہُوئی پنکھڑیاں چُن سکوں

جو تمھارے ہی قدموں تلے آ کے روندی گئیں

دل کے آئینہ خانے میں آراستہ اُن کو کرتی رہی

دیکھ لو نکہتِ رائگاں

Scanned by CamScanner

آج محفوظ و مامون ہے

ہر گُلِ تر کو تم سے معنون کیا

مَیں نے خوشبو سے رفتہ کو اپنا لیا

پیرہن تار تار، انگلیاں خوں چکاں

اپنا مسلک مگر برتر از جسم و جاں

کُند ہوتے نہیں دردِ احساس کے نیشتر

دل کو پھر بھی نہیں خواہشِ درگزر

جو خطا آج تک مجھ سے سرزد ہوئی

اُس خطا سے مجھے آج تک پیار ہے

ان رہوں میں کوئی مَیں اکیلی نہیں

Scanned by CamScanner

اور آشفتہ سر ساتھ ہیں
وہ جو غیروں کے پتھراؤ پر ہنس پڑے
اور اپنوں کے پھولوں سے زخمی ہوئے!

۱۹۶۷ء

Scanned by CamScanner

○

توفیق سے کب کوئی سروکار چلے ہے

دنیا میں فقط طالعِ بیدار چلے ہے

ٹھہروں، تو چٹانوں سی کلیجے پہ کھڑی ہے

جاؤں تو مرے ساتھ ہی دیوار چلے ہے

ہر غنچہ بڑے چاو سے کھِلتا ہے چمن میں

ہر دور کا منصور سرِ دار چلے ہے

رنگوں کی نہ خوشبو کی کمی ہے دل و جاں کو

توشہ جو چلے ساتھ وہ اک خار چلے ہے

rekhta

Scanned by CamScanner

دل کے لیے بس آنکھ کا معیار بہت ہے
جو سکۂ جاں ہے سرِ بازار چلے ہے

حیرت سے شگوفوں کی جھپکتی نہیں آنکھیں
کس آن سے کانٹوں کا خریدار چلے ہے

خورشید وہاں ہم نے سلگتے ہوئے دیکھے
کرنوں کا جس آشوب میں بیوپار چلے ہے

اک جنبشِ مژگاں کی اجازت بھی نہیں ہے
دل ساتھ چلا ہے کہ ستمگار چلے ہے

تھے خضر بھی لاکھوں یہاں عیسیٰ بھی بہت تھے
آزار جو دل کا ہے سو آزار چلے ہے

۱۹۶۷

Scanned by CamScanner

میراثِ آدم

وہ جو انسان ہیں

اک کلی کے لیے، اک کرن کے لیے

زہر پیتے رہے، جی گنواتے رہے

غم رسیدہ نہ ہو، دِل گرفتہ نہ ہو

آج کی موت بس آج کی موت ہے

زندگی موت سے کب خجل ہو سکی

تیرگی قسمتِ آب و گِل ہو سکی

Scanned by CamScanner

روشنی نسلِ آدم کی میراث ہے

اور انساں رہا موت پر خندہ زن

از کراں تا کراں، از زماں تا زمن

جس طرح رات پر صُبحِ نو

غم رسیدہ نہ ہو، آبدیدہ نہ ہو

قافلہ تو ہمیشہ رہا تیز رَو

ایک مشعل بجھی، دوسری جَل گئی

ایک مُرجھا گئی، اک کلی کِھل اٹھی

وہ جو انسان ہیں

اک کلی کے لیے، اک کرن کے لیے

Scanned by CamScanner

جاں لٹاتے رہے، سر کٹاتے رہے

ہم کسی قتلۂ کوہ پر پیچ کہو

روشنی کے لیے آگ لینے گئے۔؟

ہم نے جب بھی چراغ اپنا روشن کیا

اس میں اپنا ہی خونِ جگر، خونِ ارماں جلا

ہم اجالوں کے رسیا کہیں بھی تھے؟

ہاتھ میں ٹمٹماتا ہُوا اِک دیا

ہاتھ سے ہاتھ تک پہنچ جاتا رہا

آندھیاں، ظلمتیں، زلزلے

موج در موج تھیں، پیچ در پیچ تھے

Scanned by CamScanner

ہم اجالے کی بس اک کرن کے لیے

طوق و زنداں کی ایک اک کڑی جھیلتے

ایک دو دن نہیں۔ سینکڑوں سال سے

زہر پیتے رہے۔ جاں گنواتے رہے

(لوگ آتے رہے لوگ جاتے رہے)

زیست سے مرگ تک، موت سے دفن تک

دشت سے دشت تک، عہد سے عہد تک

ہاتھ کٹتے رہے اور ننھا سا اک روشنی کا پیامی دیا

ہاتھ سے ہاتھ تک منتقل ہوتا جاتا رہا

جگمگاتا رہا

وہ دیا جس کو سورج بنانے چلے

اور خود ظلمتوں میں بھٹکتے رہے

وقت آواز ہے، وقت للکار ہے

اور ہر دور میں سر پھرے

اُس کے احکام پر چل پڑے

ان کو صدیوں کی چالوں سے کیا واسطہ

وہ جو لمحوں کی انگلی پکڑ کر چلے

وقت نے ٹھہر کر اُن کو تعظیم دی

اور وہ دل جلے، سر پھرے

آگے بڑھتے گئے

rekhta

Scanned by CamScanner

بار ہا راہ میں

جو تھکے بھی نہ تھے ہم سفر سو گئے
اور اُجاگر مگر راستے ہو گئے

جو قدم بڑھ گئے کب وہ پیچھے ہٹے
اور بڑھتے رہے، اور بڑھتے گئے
ان رہوں میں نہیں ویت نام اور کشمیر ہی
ایسے قریے بھی تھے جن کو تاریخ بھی
نام اب تک نہیں دے سکی
اور انسانیت کا وہ نقّا دیا

Scanned by CamScanner

زندگی کے خم و پیچ سے آشنا

زندگی کے خم و پیچ سے بے خبر

کر گیا تابدار اپنے مقدور بھر

ایک اک بام و در، ایک اک رہگزر

اک نہ اک شکل سے اک نہ اک رُوپ میں

تیرگی میں کبھی اور کبھی دُھوپ میں

زندگانی کے ماتھے کا ٹیکا سدا جگمگاتا رہا

سچ کہو دوستو! سچ کہو ساتھیو!

تم نے انساں کو مرتے بھی دیکھا کبھی

اس کے دامن کو دستِ اجل چھُو سکا۔؟؟

۱۹۶۷ء

Scanned by CamScanner

○

کیا مطمئن ہیں بارِ غمِ زندگی لیے
جو باوجودِ مرگِ تمنّا بھی جی لیے

بے حس نہیں کہ سنگِ سرِ راہ جانیے
ساکت ہیں اہلِ ظرف غمِ آگہی لیے

ہونے لگا دلوں کو دھڑکنے سے احتراز
کس کس نے آج چاک گریباں سی لیے

rekhta

Scanned by CamScanner

پائے جنوں کو وسعتِ صحرائے دل بہت
پھرتے رہے ندامتِ فرزانگی لیے

حائل رہی ہے راہ میں دیوارِ برگِ گُل
پلٹے ہیں شہرِ درد سے دستِ تہی لیے

اشعار میں ڈھلے ہیں کئی پارہ ہائے دل
آنسو نہ بہنے کہ ہم نے مروّت میں پی لیے

بات آ پڑی نگاہ کی ورنہ یہاں ادا
کانٹے بھی ہیں شگوفوں کی شائستگی لیے

۱۹۶۷

Scanned by CamScanner

ماں

یہ دھواں ہے کہ مرے دل کی لگی ہے؟ کیا ہے؟

میری آنکھیں ہیں کہ ساون کی جھڑی ہے؟ کیا ہے؟

وہ اندھیرا ہے کہ دم میرا گھٹ جاتا ہے

آگے کچھ دیکھنا چاہوں بھی تو وہم آتا ہے

میں کہ تقدیسِ وفا، عفت و ناموسِ حیات

میرے انفاس سے روشن ہوا فانوسِ حیات

Scanned by CamScanner

حرفِ آغاز بھی میں، نقطۂ انجام بھی میں

کل کی اُمید بھی ہیں، آج کا پیغام بھی ہیں

میں کسی خوابِ دل آویز کی تشکیل نہ تھی

جذبۂ لذّتِ تخلیق کی تکمیل نہ تھی

مَیں تو خود خالق و کوزہ گر و صنّاع بنی

شہر بانو بھی مرا نام رہا مریم بھی

دشتِ ظلمات میں آوارہ و سرگشتہ رہی

بے ستوں کے لیے مَیں تیشۂ فرہاد بھی تھی

رہنمائی کو مرے دل کی لگن کافی تھی

آبلہ پائی کو سینے کی چبھن کافی تھی

Scanned by CamScanner

قلبِ سودا طلب و عزمِ جواں ساتھ میں تھا

ہاتھ تقدیر کا ہر آن مرے ہاتھ میں تھا

کوئی کونپل نئی پھوٹی تو یہ جانا میں نے

دے دیا دہر کو جینے کا سندیسا میں نے

غنچہ چٹکا تو مری روح میں نغمے جاگے

شاید اب مجھ کو مرے خواب کی تعبیر ملے

پھول کھلتا تو بہاروں کا سلام آتا تھا

مہر و مہ کا مجھے کرنوں سے پیام آتا تھا

میرا مذہب کہ محبت بھی ہے امیّد بھی ہے

پھر یہ کیسی مرے انداز میں محرومی ہے

Scanned by CamScanner

گرد صدیوں کے سفر کی مرے بالوں میں آئی

پاؤں چھلنی ہیں، نگہ زخمی ہے، دل ہے خالی

جانے کس موڑ پہ کیا چُوک ہوئی ہے مجھ سے

آرزو لا کے کہاں روٹھ گئی ہے مجھ سے

مَیں نے جو نقش اُبھارا تھا وہ ایسا تو نہ تھا

مَیں نے شہ کار جو ڈھالا تھا وہ ایسا تو نہ تھا

آج اُس سانس سے بارود کی بُو آتی ہے

مَیں نے جس سانس کو سمجھا تھا دمِ عیسیٰ ہے

کہیں پتھرائی ہوئی آنکھ مجھے تکتی ہے

خوں آلود کہیں ہاتھ نظر آتا ہے

Scanned by CamScanner

کہیں کچلے ہُوئے سَر ہیں، کہیں بے رُوح بدن

ہے اِدھر بھوک، اُدھر ہے فقط آسائشِ تن

میرا ارماں، مرا محبوب کہاں آ پہنچا

میرا طالب، مرا مطلوب کہاں آ پہنچا

میں وہ گوتم بھی کہ جو راہ دکھانے نکلا

اور رستے میں خود اپنا ہی پتہ بھول گیا

ایک دو کرنیں تو پھوٹی ہیں اجالے کی مگر

اُن کو خورشیدِ درخشاں تو نہیں کہہ سکتے

چند کلیوں کو بہاراں تو نہیں کہہ سکتے

آج یہ سوچ کے حیران ہوں، آزردہ ہوں

Scanned by CamScanner

اپنی تخلیق پہ نازاں ہوں کہ شرمندہ ہُوں؟

آگے کچھ دیکھنا چاہوں بھی تو وہم آتا ہے

اور سرگوشیاں کرتا ہے یہ ٹمٹا کا جنوں

کٹ ہی جائے گا شبِ تار کا اِک روز فسوں

دیکھو نادان ہے، نادان سے مایوس نہ ہو

آخر انسان ہے، انسان سے مایوس نہ ہو

۱۹۶۶ء

Scanned by CamScanner

○

کیا جانیے کس بات پہ مغرور رہی ہوں
کہنے کو تو جس راہ چلایا ہے چلی ہوں

تم پاس نہیں ہو تو عجب حال ہے دل کا
یُوں جیسے میں کچھ رکھ کے کہیں بھول گئی ہوں

پھُولوں کے کٹوروں سے چھلک پڑتی ہے شبنم
ہنسنے کو ترے پیچھے بھی سو بار ہنسی ہوں

تیرے لیے تقدیر مری جنبشِ ابرو
اور مَیں ترا ایماے نظر دیکھ رہی ہوں

Scanned by CamScanner

صدیوں سے مرے پاؤں تلے جنّتِ انساں
مَیں جنّتِ انساں کا پتہ پوچھ رہی ہوں

دل کو تو یہ کہتے ہیں کہ بس قطرۂ خوں ہے
کس آس پہ اے سنگِ سرِ راہ چلی ہوں

جس ہاتھ کی تقدیس نے گلشن کو سنوارا
اُس ہاتھ کی تقدیر پہ آزردہ رہی ہوں

قسمت کے کھلونے ہیں اجالا کہ اندھیرا
دل شعلہ طلب تھا سو بہر حال جلی ہوں

۱۹۶۶ء

Scanned by CamScanner

میلادِ بہار

(نئے گھر میں پہلا درخت)

راز داں بہاروں کے!

تم کہ طفلِ ناداں ہو

جانے کس گلستاں سے

میرے پاس آ پہنچے

کتنے پیار سے میں نے

اپنے گھر کے آنگن کی

تم کو آبرو بخشی۔

Scanned by CamScanner

سال بیت جائیں گے

جب بہار آئے گی

ریشمیں شگوفوں کی

پنکھڑیوں کے سازوں پر

زمزمے بکھیرو گے

اپنے آپ میں کھو کر

نکہتوں کے شہ پارے

لوحِ جاں پہ لکھّو گے

سوچ ہم جوانی کی

Scanned by CamScanner

ناز سب حسینوں کے
ایک جیسے ہوتے ہیں
(اپنے عکس کے آگے
سارے رنگ پھیکے ہیں)

جب بہار آئے گی
جانے ہیں کہاں ہوں گی
پیچ و خم سے بنتی ہے
منزلوں کی پگڈنڈی
تم تو بھول جاؤ گے

rekhta

Scanned by CamScanner

لمس میرے ہاتھوں کا

خواب میری آنکھوں کے

مَیں تمھیں نہ بھولوں گی

مَیں کہ فطرتاً ماں ہوں

۱۹۶۷ء

rekhta

Scanned by CamScanner

زادِ راہ

شوقِ منزل میں بہت دور نکل آئے ہو
زادِ رہ کا بھی تمھیں دھیان رہا تھا کہ نہیں
کوئی اُمید، کوئی گونج، کوئی چاپ نہیں
ساتھ اپنے دلِ وحشی بھی لیا تھا کہ نہیں

۱۹۶۸ء

Scanned by CamScanner

○

ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی، برسرِ الزام ہی آئے

حیران ہیں لب بستہ ہیں دلگیر ہیں غنچے
خوشبو کی زبانی ترا پیغام ہی آئے

لمحاتِ مسرّت ہیں تصوّر سے گریزاں
یاد آئے ہیں جب بھی غم و آلام ہی آئے

تاروں سے سجا لیں گے رہِ شہرِ تمنّا
مقدور نہیں صبح چلو شام ہی آئے

rekhta

Scanned by CamScanner

یادوں کے، وفاؤں کے، عقیدوں کے غموں کے
کام آئے جو دُنیا میں تو اصنام ہی آئے

کیا راہ بدلنے کا گلہ ہم سفروں سے
جس رہ سے چلے تیرے در و بام ہی آئے

تھک ہار کے بیٹھے ہیں سرِ کوئے تمنّا
کام آئے تو پھر جذبۂ ناکام ہی آئے

باقی نہ رہے ساکھ اَدا دشتِ جنوں کی
دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے

۱۹۶۵ء

Scanned by CamScanner

ارتکابِ جُرم

یہ جانتے ہوئے کہ محبّت گناہ ہے

کیوں ارتکابِ جُرمِ محبّت کیا اداؔ

اِس دَور میں کہ آہن و آتش کا دَور ہے

آسائش و نمود و نمائش کا دَور ہے

کلیوں کی آرزو میں بھٹکتی پھری ہو تم

کانٹوں کی تشنگی پہ تڑپتی رہی ہو تم

rekhta

Scanned by CamScanner

چوٹیں ہر ایک دل کی اسی دل پہ کھائی ہیں
ذرّوں کا جی دُکھا ہے تو آنکھیں بھر آئی ہیں
ہر غم کو تم نے حاصلِ ارماں بنا لیا
یہ جانتے ہوئے کہ محبت گناہ ہے!

۱۹۶۷

Scanned by CamScanner

○

نفرت کی بات تھی، نہ محبّت کی بات تھی
مرنے چلے تھے جس پہ صداقت کی بات تھی

جو غم عطا ہوا اُسے دل سے لگا لیا
سوچو تو کس کے حُسنِ عنایت کی بات تھی

انساں رہا ہے عظمتِ انساں کا معترف
ذوقِ سجود و شوقِ عبادت کی بات تھی

rekhta

Scanned by CamScanner

وابستگانِ دل تھے، بہرحال جی لیے
دار و رسن کے ساتھ روایت کی بات تھی

کس کس کا نام آج سرِ گفتگو رہا
شایستگانِ ہوش میں وحشت کی بات تھی

آفاق سے ملا ہے جہاں غم کا سلسلہ
ذکر آپ کا نہ تھا، مری حالت کی بات تھی

باتوں میں ان کی زہر سا کیوں ہے گھُلا ہُوا
لے لو قسم جو لب پہ شکایت کی بات تھی

rekhta
Scanned by CamScanner

کانٹا سا ایک دل میں چُبھا، چُبھ کے رہ گیا
زحمت کسی کو دیتے ندامت کی بات تھی

پتّھر کو جانتے تھے مگر پُوجتے رہے
اہلِ وفا تھے اور مروّت کی بات تھی

۱۹۶۶ء

rekhta

Scanned by CamScanner

قطعہ

زندگی لایزال و بے پایاں
میں تجھے اپنی زندگی کہہ دوں
تو ہے میرا نفس مری خوشبو
دور کب تھا کہ تجھ کو یاد کروں

۱۹۶۷ء

rekhta

Scanned by CamScanner

غزالاں تم تو واقف ہو

○

نگاہ اوٹ رہوں، کاشفِ خبر میں رہوں
میں بجھتے بجھتے بھی پیراہنِ شرر میں رہوں

مَیں خود ہی روزِ تمنّا، مَیں آپ شامِ فراق
عجب نہیں جو اکیلی بھرے نگر میں رہوں

سلگ اُٹھی تو اندھیروں کا رکھ لیا ہے بھرم
جو روشنی ہوں تو کیوں چشمِ نوحہ گر میں رہوں

تمام عمر سفر میں گزار دوں اپنی
تمام عمر تمنّائے رہگزر میں رہوں

Scanned by CamScanner

لکھا گیا مجھے آوازِ خامشی کی طرح
خود اپنا عکس بنوں، سایۂ ہنر میں رہوں

وہ تشنگی تھی کہ شبنم کو ہونٹ ترسے ہیں
وہ آب ہوں کہ مقیّد گہر گہر میں رہوں

ادا میں نکہتِ گُل بھی نہ تھی، صبا بھی نہ تھی
کہ میہماں سی رہوں اور اپنے گھر میں رہوں

rekhta

Scanned by CamScanner

مسجدِ اقصیٰ

ایسا اندھیر تو پہلے نہ ہُوا تھا لوگو!
لَو چراغوں کی تو ہم نے بھی لرزتے دیکھی
آندھیوں سے کبھی سورج نہ بجھا تھا لوگو!
آئینہ اتنا مکدّر ہو کہ اپنا چہرہ
دیکھنا چاہیں تو اغیار کا دھوکا کھائیں
ریت کے ڈھیر پہ ہو محملِ ارماں کا گماں
منزلیں کاسۂ دریوزہ گری بن جائیں

rekhta

Scanned by CamScanner

قافلے لٹتے ہی رہتے ہیں گزرگاہوں میں
لُوٹنے والوں نے کیا عزمِ سفر بھی لُوٹا؟

دجلۂ خوں تو نئی بات نہیں ہے، یہ کہو
وہ جو ڈوبا ہے، سفینہ ہے کہ ساحل ڈوبا

جادۂ شوق کہ ہے مسجدِ اقصیٰ پہلے
دل بھی قبلہ ہے، یہ قبلہ نہ ڈھہا تھا پہلے

نامناسب تو نہ تھا شعلہ بیاں بھی ہوتے
تم مگر شعلہ بہ دل، شعلہ بہ جاں بھی ہوتے

تم تو خورشید بکف تھے سرِ بازارِ وفا
کیوں حریفِ نگہِ چشمِ تماشا نہ ہوئے

Scanned by CamScanner

10769

کس کی جانب نگراں تھے کہ لگی ہے ٹھوکر

تم تو خود اپنے مقدّر کی عناں تھامے تھے

اس صحیفے میں ندامت کا کہیں مفہوم نہ تھی

اس خریطے میں ہزیمت کا کہیں مرقوم نہ تھی

رَن سے آتے تھے تو با طبلِ ظفر آتے تھے

ورنہ نیزوں پہ سجائے ہوئے سر جاتے تھے

مِٹ نہ پائے تھے بگولوں سے نقوشِ کفِ پا

ان رہوں میں ہیں رسولوں کے نقوشِ کفِ پا

محترم ہے مجھے اس خاک کا ذرّہ ذرّہ

ہے یہاں سرورِ کونینؐ کے سجدے کا نشاں

Scanned by CamScanner

اِس ہوا میں مرے آقا کے نفس کی خوشبو
اِس حرم میں مرے مولا کی سواری ٹھہری
اِس کی عظمت کی قسم ارض و سما نے کھائی
تم نے کچھ قبلۂ اوّل کے نگہبان! سنا؟
حرمتِ سجدہ گہِ شاہ کا فرمان سنا؟
زندگی مرگِ عزیزاں کو تو سہہ جاتی ہے
مرگِ ناموس مگر ہے وہ دہکتی بھٹّی
جس میں جل جائے تو خاکسترِ دل بھی نہ ملے
اور تپ جائے تو کندن ہے وجودِ انساں
پھر یہ پگھلے ہوئے لمحات گراں تا بہ گراں

Scanned by CamScanner

آپ مینارۂ انوار میں ڈھل جاتے ہیں
عرش سے خاک نشینوں کو سلام آتے ہیں
خار زاروں کو کسی آبلہ پا کی ہے تلاش
آج پھر رحمتِ یزداں کا سزاوار آئے
وادیِ گُل سے ببولوں کا خریدار آئے
دلق پوش آئے، غلاموں کا جہاندار آئے
پا پیادہ کوئی پھر قافلہ سالار آئے
ریگ زاروں میں کوئی تشنہ دہن ہی آئے
ہوش والو! کوئی تلقینِ جنوں فرمائے

۱۹۶۰ء

Scanned by CamScanner

رخصت

اے میہماں، آہستہ جا

کچھ دیر تجھ کو دیکھ لوں، کچھ دور تیرا ساتھ دوں

جانا تو ہے تجھ کو مگر آرامِ جاں، آہستہ جا

اے میہماں، آہستہ جا

دل پر ہیں قدموں کے نشاں، مثلِ صبا آہستہ چل

آنکھیں بچھی ہیں راہ میں، دامن کشاں، آہستہ جا

اے میہماں، آہستہ جا!

rekhta

Scanned by CamScanner

چھلکے گا مکھڑا پھول سا، گونجیں گی آوازیں تری
دوری کا اندیشہ نہیں، خوابِ رواں آہستہ جا
اے میہماں آہستہ جا!
کرنوں کو یادوں کی طرح راہ سفر آسان ہے
تو مہرِ تابانِ حیاتِ مہرباں، آہستہ جا
اے میہماں، آہستہ جا!
یہ گھر ترا، آنگن ترا، اے نکہتِ آراستہ
اب منتظر تیری نمودِ گلستاں، آہستہ جا!
اے میہماں، آہستہ جا!

rekhta

Scanned by CamScanner

اک بار مڑ کر دیکھ لے، آنکھوں میں آنسو تو نہیں

تو منزلوں کی آرزو ہے بے گماں، آہستہ جا

اے میہماں، آہستہ جا!

ہمراہ تیرے، رحمتِ ربِّ کریم و مہرباں

تجھ پر بہارِ زندگی ہو گُل فشاں، آہستہ جا

اے میہماں، آہستہ جا

۱۹۷۳ء

(اپنی بیٹی صبیحہ کے نام)

rekhta

Scanned by CamScanner

آج بھی

ہم نے جانا کہ ہم
اپنے ہر قرض سے اب سبکسار ہیں
ہر تبسّم کی قیمت ادا کر چکے
دل سے عذرِ وفا کر چکے
عزمِ ترکِ خطا کر چکے
اب تو جینے کے ہم بھی سزاوار ہیں

rekhta

Scanned by CamScanner

اور یہ دل کہ ضدّی ہے، نادان ہے
آج کے دور میں
جب خلوص و وفا و محبّت بھی فرمان ہے
آنسوؤں تک کی قیمت ہے، میزان ہے
اور یہ دل —— اسے آج بھی
ایک بے ساختہ، بے محابا تبسّم کا ارمان ہے

۱۹۶۸ء

rekhta

Scanned by CamScanner

○

گفتار میں بے ساختہ پن اب بھی وہی ہے
چُپ ہیں کہ تب و تابِ سخن اب بھی وہی ہے

لفظوں کے تراشیدہ صنم چپ تو نہیں ہیں
لہجے کی درخشندہ کرن اب بھی وہی ہے

اب بھی وہی میلے ہیں سرِ دشتِ تمنّا
حیران غزالوں کا وطن اب بھی وہی ہے

بدلے تو نہیں ہیں وہ دل و جاں کے قرینے
آنکھوں کی جلن دل کی چبھن اب بھی وہی ہے

rekhta

Scanned by CamScanner

کیا اب بھی دِیے نقشِ کفِ پا کے بجھیں گے
ہر سلسلۂ کوہ و دمن اب بھی وہی ہے

اوراقِ گُل و لالہ بہم اب بھی نہیں ہیں
اندازِ نہالانِ چمن اب بھی وہی ہے

اب کے بھی علاجِ دلِ خود دار نہ ہو گا
اے چارہ گرو! دردِ شکن اب بھی وہی ہے

طغیانِ انا ہو کہ سراسیمگیِ جاں
یارب! ترا شہ پارۂ فن اب بھی وہی ہے

۱۹۶۹

Scanned by CamScanner

○

یہ حکم ہے تری راہوں میں دوسرا نہ ملے
شمیمِ جاں! تجھے پیراہنِ صبا نہ ملے

بجھی ہوئی ہیں نگاہیں، غبار ہے کہ دھواں
وہ راستہ ہے کہ اپنا بھی نقشِ پا نہ ملے

جمالِ شب مرے خوابوں کی روشنی تک ہے
خدا نکردہ چراغوں کی لَو بڑھا نہ ملے

قدم قدم مری ویرانیوں کے رنگ محل
دلوں کو زخم کی سوغات خسروانہ ملے

Scanned by CamScanner

تم اس دیار میں انساں کو ڈھونڈتی ہو جہاں
وفا ملے تو بہ احساسِ مجرمانہ ملے

گئے دنوں کے حوالے سے تم کو پہچانا
ہم آج خود سے ملے اور والہانہ ملے

کدھر سے سنگ چلا تھا آ دا کہاں پہنچا
جو ایک ٹھیس سے ٹوٹیں، انھیں بہانہ ملے

۱۹۶۹ء

Scanned by CamScanner

گواہی

رفیقِ دشتِ تمنّا ! مسیحِ عرصۂ جاں
مرے حبیب، یہ دل تیرے ناز پر قرباں
مرے لہو سے تری پور پور ہے زخمی
سُلگ رہا تھا اِسی اِک دیے سے میرا بدن
خدا نکردہ مری آنچ تجھ تک آ پہنچے

تو خود حریمِ محبت، تو قبلہ گاہِ وفا
مجھے تو آتا ہے ہر رنگ زندگی کرنا

Scanned by CamScanner

کبھی کو تو جو پشیماں ہُوا تو کیا ہو گا

مَیں بے نشاں بھی سہی، بے زباں بھی ہوں لیکن

میں حرفِ شوق بہ نامِ بیاض سادہ ہوں

مرے حبیب، مرے کج کلاہ، دیکھ تو لے

مَیں سر بکف تری چوکھٹ پہ ایستادہ ہوں

تری نگاہ نگاہوں سے کیوں نہیں ملتی

یہ خون فرض تھا مجھ پر، ادا کیا مَیں نے

یہ خون قرض تھا مجھ پر، چکا دیا مَیں نے

۱۹۷۰

Scanned by CamScanner

○

نہ بام و دشت، نہ دریا، نہ کوہسار ملے
جنوں کی راہ بھی حالات سازگار ملے

لبوں پہ حرفِ شکایت بھی آ کے ٹوٹ گیا
وہ خود فگار تھے جو ہاتھ سنگبار ملے

اِدھر فصیلِ شبِ غم، اُدھر ہے شہرِ پناہ
صبا سے کہیو، وہی آ کے ایک بار ملے

یہ بے بسی تو مرے عہد کا مقدر تھی
دلوں کو داغِ تمنا بھی مستعار ملے

Scanned by CamScanner

ہتھیلیوں پہ چراغِ دعا سجائے ہوئے
ملے نگارِ بہاراں تو شرمسار ملے

کوئی تو راہِ تمنّا میں ہم سفر ہوتا
کوئی تو کوئے وفا میں خطا شعار ملے

محبتوں سے تو پہلے ہی کیا توقّع تھی
مروّتوں کے بھی دامان تار تار ملے

مَیں کیسے اپنے خد و خال آج پہچانوں
جو آئینہ ملے، آلودۂ غبار ملے

مری طلب کی یہ معراج ہے کہ عجز ادا
جدھر سے گزروں، وہی ایک رہگزار ملے

۱۹۷۱ء

Scanned by CamScanner

کیوں۔؟

تم جو قاتل نہ مسیحا ٹھہرے

نہ علاجِ شبِ ہجراں، نہ غمِ چارہ گراں

نہ کوئی دشنۂ پنہاں

نہ کہیں خنجرِ سم آلودہ

نہ قریبِ رگِ جاں

تم تو اُس عہد کے انساں ہو، جسے

وادیِ مرگ میں جینے کا ہنر آتا تھا

rekhta

Scanned by CamScanner

مدتوں پہلے بھی جب رختِ سفر باندھا تھا
ہاتھ جب دستِ دعا تھے اپنے
پاؤں زنجیر کے حلقوں سے کٹے جاتے تھے
لفظ تقصیر تھے
آواز پہ تعزیریں تھیں
تم نے معصوم جسارت کی تھی
اک تمنّا کی عبادت کی تھی
پا برہنہ تھے تمھارے
یہی بوسیدہ قبا تھی تن پر
اور یہی سرخ — لہو کے دھبّے

rekhta

Scanned by CamScanner

جنھیں تحریرِ گُل و لالہ کہا تھا تم نے
ہر نظارہ پہ بے نظارگیِ جاں تم کو
ہر گلی کوچۂ محبوب نظر آئی تھی
رات کو زلف سے تعبیر کیا تھا تم نے
تم بھلا کیوں رسن و دار تک آ پہنچے ہو
تم نہ منصور نہ عیسیٰ ٹھہرے ـــ!؟

۱۹۷۱ء

Scanned by CamScanner

○

دلوں کی راکھ، غبارِ جبیں کی بات کرو

جہاں لٹے ہیں اسی سرزمیں کی بات کرو

ہمارے بعد وفاؤں کے دل پہ کیا گزری

محبّتوں کے دمِ آخریں کی بات کرو

شفق سے ڈوبتی کرنوں نے کیا کہا ہوگا

جراحتِ نگہِ واپسیں کی بات کرو

رفیقِ دشتِ تمنّا ابھی خموش نہ ہو

جنوں کا ذکر، جنوں آفریں کی بات کرو

rekhta

Scanned by CamScanner

کوئی سبیل، کوئی چارہ جی ٹھہرنے کو
جنھوں نے توڑ دیا دل انھیں کی بات کرو
مرے لہو سے کہیں تو کھلے گُل و لالہ
بہ یادِ ہم نفساں آستیں کی بات کرو
صنم کدوں نے نئے بت سجا لیے ہوں گے
تم آج اپنی متاعِ جبیں کی بات کرو
مژہ کو قرضِ تمنّا ابھی چکانا ہے
کھنڈر کے سایے میں شہرِ حسیں کی بات کرو
صلیبِ شاخ سے سایے کی آرزو تھی ادا
کمالِ سادگیِ رہ نشیں کی بات کرو

۱۹۶۲

Scanned by CamScanner

اندازِ نقشِ پا

یہی تھا احوالِ دل فگاراں

یہی مداراتِ دردِ ہجراں

وہ جب نئی منزلوں چلی تھی

شگفتہ حیرانیاں — کرن سی

قدم قدم اس کی ہم سفر تھیں

دھنک سے آنچل میں پھول بھی تھے

ہٹیلی راہوں ببول بھی تھے

rekhta

Scanned by CamScanner

ہزار جلوے تھے جسم و جاں کے
ہزار آئینے روبرو تھے
کہ دھڑکنیں اُس کی راہبر تھیں

وہی ہے سرشاریِ تمنّا
وہی ہے اندازِ رہ نورداں
نہ خاک برسر نہ چاک داماں
وہی ہے کوئے نگارِ حیرت
حدودِ شہرِ فسوں سلامت
جنوں کی حدِّ کرم نہیں ہے

۱۹۷۳ء

rekhta

Scanned by CamScanner

آبلہ پا

دیدار کی ساعت نہ جدائی کی گھڑی ہے
الزام ہی الزام ہے دلداریِ محمل
ہر موجۂ ریگِ گزراں آپ ہے ساحل
سنگِ سرِ راہے نہ غبارِ سرِ منزل
زنجیرِ بیاباں مرے پیروں میں پڑی ہے

۱۹۶۸ء

rekhta

Scanned by CamScanner

سازِ سخن بہانہ ہے

◎

کیا جانیے کیوں اداس تھی وہ
کب اتنی اداشناس تھی وہ
ہر خواب سے بے طرح ہراساں
ہر خواب کے آس پاس تھی وہ
سرشاریِ شوق و بے نیازی
ہر رنگ میں خوش لباس تھی وہ

rekhta

Scanned by CamScanner

پیروں میں ہزار بیڑیاں تھیں
اور سرو و سمن کی آس تھی وہ
جیسے شب ہجر کی سحر ہو
کچھ ایسی ہی بے قیاس تھی وہ
ناگفتہ حکایتِ تمنا
اور پھر بھی شکستِ یاس تھی وہ
کانٹوں میں گلاب کھل رہے تھے
مت کہیو کہ ناسپاس تھی وہ
اس نام و نمود کے نگر میں
بے نام و نشاں اساس تھی وہ
چھیڑی تھی ادا نے آپ بیتی
یوں جیسے خود اپنے پاس تھی وہ

rekhta

Scanned by CamScanner

○

گلوں سی گفتگو کریں قیامتوں کے درمیاں
ہم ایسے لوگ اب ملیں حکایتوں کے درمیاں

لہولہان انگلیاں ہیں اور چُپ کھڑی ہوں میں
گُل و سمن کی بے پناہ چاہتوں کے درمیاں

ہتھیلیوں کی اوٹ ہی چراغ لے چلوں ابھی
ابھی سحر کا ذکر ہے روایتوں کے درمیاں

rekhta

Scanned by CamScanner

جو دل میں تھی نگاہ سی، نگاہ میں کرن سی تھی
وہ داستاں اُلجھ گئی وضاحتوں کے درمیاں

صحیفۂ حیات میں جہاں جہاں لکھی گئی
لکھی گئی حدیثِ جاں جراحتوں کے درمیاں

کوئی نگر، کوئی گلی، شجر کی چھاؤں ہی سہی
یہ زندگی نہ کٹ سکے مسافتوں کے درمیاں

اب اس کے خال و خد کا رنگ مجھ سے پوچھنا عبث
نگہ جھپک جھپک گئی ارادتوں کے درمیاں

صبا کا ہاتھ تھام کر اداؔ نہ چل سکو گی تم
تمام عمر خواب ساعتوں کے درمیاں

Scanned by CamScanner

ہر گام سنبھل سنبھل رہی تھی
یادوں کے بھنور میں چل رہی تھی

سانچے میں خبر کے ڈھل رہی تھی
اک خواب کی لَو سے جل رہی تھی

شبنم سی لگی جو دیکھنے میں
پتھّر کی طرح پگھل رہی تھی

Scanned by CamScanner

رُوداد سفر کی پوچھتے ہو
مَیں خواب میں جیسے چل رہی تھی

کیفیتِ انتظارِ پیہم
ہے آج وہی جو کل رہی تھی

تھی حرفِ دعا سی یاد اس کی
زنجیرِ فراق گل رہی تھی

کلیوں کو نشانِ رہ دکھا کر
مہکی ہُوئی رات ڈھل رہی تھی

لوگوں کو پسند لغزشِ پا
ایسے میں اَدا سنبھل رہی تھی

Scanned by CamScanner

سُنو

جان!
تم کو خبر تک نہیں
لوگ اکثر بُرا مانتے ہیں
کہ میری کہانی کسی موڑ پر بھی
اندھیری گلی سے گزرتی نہیں
کہ تم نے شعاعوں سے ہر رنگ لے کر
مرے ہر نشانِ قدم کو دھنک سونپ دی

rekhta

Scanned by CamScanner

نہ گم گشتہ خوابوں کی پرچھائیاں ہیں
نہ بے آس لمحوں کی سرگوشیاں ہیں
کہ نازک ہری بیل کو
اک توانا شجر ان گنت اپنے ہاتھوں میں
تھامے ہوئے ہے
کوئی نارسائی کا آسیب اس رہگزر میں نہیں
یہ کیسا سفر ہے کہ روداد جس کی
غبارِ سفر میں نہیں

Scanned by CamScanner

◎

اندھیری رہ میں مسافر کہیں نہ بھٹکا تھا
کسی منڈیر پہ جب تک چراغ جلتا تھا

وہ کتنی دُور رہا، فیصلہ بھی اُس کا تھا
مجھے تو قرب کے احساس نے سنبھالا تھا

یہی غبارِ شب و روز کا کمال بھی ہے
جو آنکھ دیکھ نہ پائی وہ دل نے دیکھا تھا

سفر تمام ہُوا، اور حیرتیں نہ گئیں
جو قربتیں تھیں وہاں فاصلہ بلا کا تھا

نہ جانے لوگ کہاں تھے، زمانہ تھا کہ نہیں
زمیں پہ مَیں تھی، فلک پر بس اِک ستارا تھا

یہی خطا کہ پجارن تھی اور نہ دیوی تھی
بڑی خطا تھی کہ خود کو بھی مَیں نے چاہا تھا

Scanned by CamScanner

جو اِذن ہو تو مَیں کچھ دیر اپنے پاس رہوں
کہا نہیں تھا یہ، بس یُوں ہی دِل نے سوچا تھا
نہ آستاں نہ کوئی بام و در ہی جی کو لگے
چلن سدا سے یہی سر پھری ہوا کا تھا

بہت حسین، بڑی دِلنشیں حقیقت ہے
جو تشنہ لب تھا وہی اعتبارِ دریا تھا
پھر اس کے بعد آدا کوئی شب نہیں آئی
بس ایک نام بیاضِ سحر میں لکھا تھا

Scanned by CamScanner

حیران ہوں، کیوں دیر پشیماں سا لگے ہے
سایہ جو مرے قد سے گریزاں سا لگے ہے

اک وحشتِ جاں ہے کبھی صحرا کبھی زنداں
اک عالمِ دل ہے کہ بہاراں سا لگے ہے

پندار نے ہر بار نیا دیپ جلایا
جو چوٹ بھی کھائی ہے وہ احساں سا لگے ہے

Scanned by CamScanner

کچھ سوچ کے کہنا کہ ہمیں حرفِ تسلّی
تازہ ہو اگر زخم تو پیکاں سا لگے ہے

کیا آس تھی دل کو کہ ابھی تک نہیں ٹوٹی
جھونکا بھی ہوا کا ہمیں مہماں سا لگے ہے

آنچل کا جو تھا رنگ وہ پلکوں پہ رچا ہے
اب کوئی بھی موسم ہو گل افشاں سا لگے ہے

خوشبو کا یہ انداز بہاروں میں نہیں تھا
پردے میں صبا کے کوئی ارماں سا لگے ہے

سونپی گئی ہر دولتِ بیدار اسی کو
یہ دل جو ہمیں آج بھی ناداں سا لگے ہے

تجھ کو بھی ادا جرأتِ گفتار ملی تھی
تو بھی مجھے اک حرفِ پریشاں سا لگے ہے

Scanned by CamScanner

◎

اجالا دے چراغ رہگزر آساں نہیں ہوتا
ہمیشہ ہو ستارہ ہم سفر آساں نہیں ہوتا

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ، اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا

بڑے تاباں بڑے روشن ستارے ٹوٹ جاتے ہیں
سحر کی راہ تکنا تا سحر آساں نہیں ہوتا

Scanned by CamScanner

اندھیری کاسنی راتیں یہیں سے ہو کے گزریں گی
جلا رکھنا کوئی داغِ جگر آساں نہیں ہوتا

کسی دردآشنا لمحے کے نقشِ پا سجا لینا
اکیلے گھر کو کہنا اپنا گھر آساں نہیں ہوتا

جو ٹپکے کاسۂ دل میں تو عالم ہی بدل جائے
وہ اِک آنسو مگر اے چشمِ تر آساں نہیں ہوتا

گماں تو کیا یقیں بھی وسوسوں کی زد میں ہوتا ہے
سمجھنا سنگِ در کو سنگِ در آساں نہیں ہوتا

نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
اداؔ سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

Scanned by CamScanner

سازِ سخن بہانہ ہے

عنبارِ صبح و شام میں
تجھے تو کیا
میں اپنا عکس دیکھ لوں میں اپنا اسم سوچ لوں
نہیں مری مجال بھی
کہ لڑکھڑا کے رہ گیا مرا ہر اک سوال بھی
مرا ہر اِک خیال بھی
مَیں بے قرار و خستہ تن

rekhta

Scanned by CamScanner

بس اک شرارِ عشق میرا پیرہن
مرا نصیب ایک حرفِ آرزو
وہ ایک حرفِ آرزو
تمام عمر سو طرح لکھوں
مرا وجود اک نگاہِ بے سکوں
نگاہ — جس کے پاؤں میں ہیں بیڑیاں پڑی ہُوئی !

rekhta

Scanned by CamScanner

سانجھ سویرے

بھیگی بھیگی پلکوں والی
جتنی آنکھیں ہیں میری ہیں
دکھ کی فصلیں کاٹنے والے
جتنے ہاتھ ہیں میرے ہیں
شاخ سے ٹوٹی کچّی کلیاں
آگ میں جُھلسے کومل مکھڑے
اُلجھی اُلجھی لٹ بھی میری
دھجّی دھجّی آنچل بھی

کالی رات کی چادر اوڑھے
اُجلے دن کا رستہ دیکھ رہی ہوں!

rekhta

Scanned by CamScanner

آشوبِ آگہی

جیسے دریا کنارے
کوئی تشنہ لب
آج میرے خدا
مَیں یہ تیرے سوا اور کس سے کہوں
میرے خوابوں کے خورشید و مہتاب سب
میری آنکھوں میں اب بھی سجے رہ گئے
میرے حصے میں کچھ حرف ایسے بھی تھے
جو فقط لوحِ جاں پر لکھے رہ گئے!

rekhta

Scanned by CamScanner

اب خلقت مجھ سے پوچھے ہے تمھیں کیسے ساری بات ملی
کس اسم کا تم نے وِرد کیا، جب تم کو ہٹیلی رات ملی

کیا دھوپ بھری دوپہروں کی بے درد ہوائیں کچھ بھی نہ تھیں
تم اُجلی کچّی کلیوں سی، کیا صبح تمھیں سوغات ملی

وہی گجرے کچّی چاہت کے، وہی نکھرا رُوپ سہاگن کا
نا کچا رنگ تھا آنچل کا، نا رستے میں برسات ملی

Scanned by CamScanner

ملنا تو اپنے آپ سے بھی اس نگری میں آسان نہ تھا
تم کون سے در تک جا پہنچیں، تمھیں راز ملے تمھیں گھات ملی

یہ ہنستی بستی تنہائی، جیسے شہرِ نجاتِ ذات کہیں
کس درد نے تم کو دکھلائی، کس زخم سے کس کے ہات ملی

تم آئینوں کو دان کرو، کبھی دیپ نیا، کبھی رُوپ نیا
وہ سب آنکھوں میں ایک سی تھی جو تصویرِ حالات ملی

کہیں پھول بھی ہیں کشکول ادا کہیں کانٹا جی کو لگ جائے
وہ دینے والا جانے ہے یاں کس کو کیا اوقات ملی

Scanned by CamScanner

◎

خود حجابوں سا خود جمال سا تھا
دل کا عالم بھی بے مثال سا تھا

عکس میرا بھی آئنوں میں نہیں
وہ بھی کیفیّتِ خیال سا تھا

دشت میں سامنے تھا خیمۂ گل
دوریوں میں عجب کمال سا تھا

rekhta

Scanned by CamScanner

بے سبب تو نہیں تھا آنکھوں میں
ایک موسم کہ لازوال سا تھا

تھا ہتھیلی پہ اِک چراغِ دُعا
اور ہر لمحہ اِک سوال سا تھا

خوف اندھیرے کا، ڈر اُجالوں سے
سانحہ تھا تو حسبِ حال سا تھا

کیا قیامت ہے حجلۂ جاں میں
اس کے ہوتے ہُوئے ملال سا تھا

جس کی جانب اَدا نظر نہ اُٹھی
حال اس کا بھی میرے حال سا تھا

Scanned by CamScanner

وہ لمحہ جو میرا تھا

اک دن
تم نے مجھ سے کہا تھا
دھوپ کڑی ہے
اپنا سایہ ساتھ ہی رکھنا
وقت کے ترکش میں جو تیر تھے کھُل کر برسے ہیں
زرد ہوا کے پتھریلے جھونکوں سے
جسم کا پنچھی گھائل ہے

Scanned by CamScanner

دھوپ کا جنگل، پیاس کا دریا
ایسے میں آنسو کی اِک اِک بوند کو
انساں ترسے ہیں

تم نے مجھ سے کہا تھا
سمے کی بہتی ندی میں
لمحے کی پہچان بھی رکھنا

میرے دل میں جھانک کے دیکھو
دیکھو ساتوں رنگ کا پھُول کھلا ہے
وہ لمحہ جو میرا تھا وہ میرا ہے
وقت کے پیکاں بے شک تن پر آن لگے
دیکھو اس لمحے سے کتنا گہرا رشتہ ہے

Scanned by CamScanner

◎

تحریر ہر نگہ میں کسی خواب کی رہی
اتنی تو راستوں میں مرے روشنی رہی

در بھی نہیں تھا کوئی دریچے بھی بند تھے
آنکھوں میں جانے کیسے دھنک سی رچی رہی

خوشبو کے ساتھ ساتھ نہ جانے کہاں تھی میں
پھر یوں ہوا کہ گردشِ دوراں تھمی رہی

Scanned by CamScanner

پتّوں سے چھن کے آئی ہے آنگن میں چاندنی
جیسے کسی خوشی میں خوشی کی کمی رہی

اِک سلسبیلِ درد مرے ساحلوں پہ تھی
دریا میں موج موج مری تشنگی رہی

وہ اتنا مہرباں ہے کہ اب اس سے کیا کہوں
کتنی گواہیوں میں مری زندگی رہی

دل کو اُداس کر گئی جو نوحہ گر ہوا
کونپل کو اعتبارِ نمو سونپتی رہی

گلدان میں سجا تو لیے شوق سے اَدا
پھولوں سے بے طرح مجھے شرمندگی رہی

Scanned by CamScanner

rekhta

گھر کا رستہ بھی ملا تھا شاید
راہ میں سنگِ وفا تھا شاید

اِس قدر تیز ہوا کے جھونکے
شاخ پر پھول کھِلا تھا شاید

جس کی باتوں کے فسانے لکھے
اس نے تو کچھ نہ کہا تھا شاید

Scanned by CamScanner

لوگ بے مہر نہ ہوتے ہوں گے
وہم سا دل کو ہوا تھا شاید

تجھ کو بھُولے تو دعا تک بھُولے
اور وہی وقتِ دعا تھا شاید

خُونِ دل میں تو ڈبویا تھا قلم
اور پھر کچھ نہ لکھا تھا شاید

دل کا جو رنگ ہے، یہ رنگِ ادا
پہلے آنکھوں میں رچا تھا شاید

rekhta

Scanned by CamScanner

◎

کوئی سنگِ رہ بھی چمک اٹھا تو ستارۂ سحری کہا
مری رات بھی ترے نام تھی اسے کس نے تیرہ شبی کہا

مرے روز و شب بھی عجیب تھے نہ شمار تھا نہ حساب تھا
کبھی عمر بھر کی خبر نہ تھی، کبھی ایک پل کو صدی کہا

مجھے جانتا بھی کوئی نہ تھا، مرے بے نیاز ترے سوا
نہ شکستِ دل نہ شکستِ جاں کہ تری خوشی کو خوشی کہا

rekhta

Scanned by CamScanner

کوئی یاد آ بھی گئی تو کیا، کوئی زخم کھِل بھی اٹھا تو کیا
جو صبا قریب سے ہو چلی اسے منّتوں کی گھڑی کہا

بھری دوپہر میں جو پاس تھی، وہ ترے خیال کی چھاؤں تھی
کبھی شاخِ گل سے مثال دی، کبھی اس کو سروِ سہی کہا

کہیں سنگِ رہ، کہیں سنگِ در، کہ میں پتّھروں کے نگر میں ہوں
یہ نہیں کہ دل کو خبر نہ تھی، یہ بتا کہ منہ سے کبھی کہا

مرے حرف حرف کے ہاتھ میں سبھی آئنوں کی ہیں کرچیاں
جو زباں سے ہو نہ سکا ادا، بہ حدودِ بے سخنی کہا

Scanned by CamScanner

rekhta

سلسلے

تمام لمحے
جو نسلِ انساں کو چھو کے گزرے
گئی رُتوں کی امانتیں بھی
نئے دنوں کی بشارتیں بھی
کبھی تمناؤں کی شبنمی ردائیں
کبھی دعاؤں کے سبز آنچل
جو ابنِ آدم کے رازداں ہیں

Scanned by CamScanner

جو بنتِ حوّا کی داستاں ہیں
گلوں کی صورت
مثالِ خوشبو
ہماری میراث ہیں ازل سے
وہ سب شگوفے
جو کھل چکے ہیں، جو کھل رہے ہیں
کسی کی یادوں، کسی کی باتوں سے مِل رہے ہیں
وصال و ہجراں کے سب تقاضے
مزاجِ جاناں کے رمز سارے
ہمارے پیمانۂ جنوں سے چھلک رہے ہیں
ہمارے نغموں میں اپنی پلکیں جھپک رہے ہیں

rekhta

Scanned by CamScanner

وہ سب صحیفے
صداقتوں کے جو ترجماں ہیں
ہمارے لفظوں کے آئنوں میں
ان آیتوں کی گواہیاں ہیں
وہ سارے الفاظ جو ابھی تک
کسی زمیں پر
کسی زباں میں لکھے گئے ہیں
ہمارے خوابوں کے سلسلے ہیں
وہ سارے جذبے
وہ سارے رشتے
خلوصِ جاں کے، نزولِ غم کے

Scanned by CamScanner

تمام پیماں
تمام پیکاں
ہمارے دل کی پناہ گاہوں میں آبلے ہیں
ہماری آنکھوں کے معبدوں میں سجے ہوئے ہیں
وفائیں خود اپنی نامہ بر ہیں
صداقتوں کے سخن امر ہیں

rekhta

Scanned by CamScanner

اجنبی دیس میں

ٹھیر ہمدم! مرے کانوں میں صدا آتی ہے
یہ صدائے شیریں
کسی بچھڑے ہوئے، بسرے ہوئے ساتھی کی طرح
جیسے ماضی کے نہاں خانے سے
آپ ہی آپ، دبے پاؤں چلی آئی ہے
یہ حسیں کوک، یہ دلدوز نوائے غمگیں
مجھ سے مت پوچھ کہ میرے لیے کیا لائی ہے

rekhta

Scanned by CamScanner

اجنبی دیس میں یادوں کا سہارا تو نہیں ؛
یہ مرے خوابِ گزشتہ کا اشارا تو نہیں ؛
شیام روپی ! تجھے معلوم نہ ہوگا شاید
تو مجھے دور ــــ بہت دور لیے جاتی ہے

. . . .

میرے کھیتوں میں ہری کونپلیں پھوٹی ہوں گی
کونپلیں؛ زندگیِ نَو کے نشاں
وہ جواں دھرتی کے سینے کے جواں سال ارماں
اور بھونروں کی وہ گونج
سچ بتا ! کانوں کو کیا اب بھی بھلی لگتی ہے

Scanned by CamScanner

ریشمیں خوابوں سے یوں چونکتی ہوں گی کلیاں
جیسے ہولے سے کوئی یاد چلی آتی ہے
جیسے بے بات ہی آنکھوں میں نمی آجائے
دل کے آنگن میں دبے پاؤں کوئی آجائے

. . . .

شیام روپی! تجھے شاید مرے محبوب چمن نے بھیجا
گل نے بھیجا کہ سمن نے بھیجا — ؟
تجھ سے کیا میری بہاروں نے کہا
میرے غنچوں نے، مرے شعلہ عذاروں نے کہا
شوخ کرنوں نے پتا میرا نہ پوچھا ہوگا — ؟
نرم جھونکوں نے سندیسہ کوئی بھیجا ہوگا

Scanned by CamScanner

وہی راتیں مرے گیتوں نے نکھارا تھا جنھیں
وہی صبحیں مرے ارماں نے سنوارا تھا جنھیں
نغمہ و رنگ کی موجوں سے گریزاں تو نہیں
سچ بتا! مجھ سے جدا ہو کے پریشاں تو نہیں
شام روپی! تجھے معلوم نہ ہو گا شاید
آج اس نے بھی مجھے خواب میں دیکھا شاید!

(ایک بہت پُرانی نظم)

دیر آشنا کلیاں کس سے حالِ دل کہتیں
وہ تو بے خبر گزرا۔ جس کی راہ دیکھی تھی

(ایک بہت پُرانا شعر)

Scanned by CamScanner

شجرِ نازاں

(اپنے بیٹے عامر کے نام)

شجرِ گل بار اور نازاں
نمو کے راز سے سرشار، خود حیراں
شجرِ سایہ فگن، گل بار اور نازاں
ابھی کل تک بس اک کونپل کی صورت تھا
جو میرے لمس کی کرنوں سے
ہر رنگت کا خواہاں تھا

rekhta

Scanned by CamScanner

غمِ خود آشنائی کی ہر اِک لذت
نمو کی دلربا وحشت کا خواہاں تھا
اسیرِ شش جہت نے اُس گھڑی جس سمت بھی دیکھا
وہ میری ہی نگاہیں تھیں
مرے اِن ناتواں ہاتھوں میں تھیں
جتنی پناہیں تھیں
جو آنسو تھا وہ شبنم سا
جو لمحہ تھا بشارت تھا
شجرِ سایہ فگن، گل بار اور نازاں
وہ کل بھی تھا مرے ہر خواب کا عنواں

Scanned by CamScanner

وہ اب بھی ہے مری تکمیل کا ساماں
جہاں تک اس کی خوشبو ہے — وہاں مَیں ہوں

....

مرے عامر!
یہ میری اور تمھاری ہی کہانی ہے
گھنا سایہ وہیں تک ہے جہاں تم ہو
گھنیری چھاؤں مِل جائے
تو موسم کی تمازت ہار جاتی ہے
دلوں میں پھول کھِل جائیں
تو ویرانوں کی شدّت ہار جاتی ہے

rekhta

Scanned by CamScanner

مرے بچّے !
مجھے جب دیکھنا جب سوچنا چاہو
تو بس اپنی طرف دیکھو
تمھارے لب پہ جو حرفِ صداقت ہے
یہی مَیں ہوں
تمھارے دل میں جو نازِ جسارت ہے
یہی میں ہوں
نگاہوں میں جو اِک طرزِ عبادت ہے
یہی مَیں ہوں
محبّت کی طرح مَیں بھی ہوں بے پایاں

کبھی ظاہر، کبھی پنہاں
جہاں تم ہو وہاں تک میری خوشبو ہے
وہاں میں ہوں !

Scanned by CamScanner

(نذرِ شاہ حاتم)

صبر آیا، نہ تاب آوے ہے
نہ دُعا کا جواب آوے ہے
اب خدائی ہے تیرے بندوں کی
روز، یومِ حساب آوے ہے
جب سے پتھر ہوئے شجر میرے
شاخِ مژگاں گلاب آوے ہے
دشتِ ہجراں سے دشتِ ہجراں تک
دل کو سارا نصاب آوے ہے
میں اندھیروں کو اوڑھ بھی لیتی
راہ میں ماہتاب آوے ہے
دل انھیں راستوں سے گزرے ہے
جن پہ نِس دِن عذاب آوے ہے
اس کو اذنِ سخن نہیں ہوتا
جس کو طرزِ خطاب آوے ہے
اس کے ہوتے بھی دل دُکھا ہے بہت
اس سے کہتے حجاب آوے ہے

Scanned by CamScanner

مری زمیں پہ جو موسم کبھی نہیں آیا
یہی بہت ہے کہ اُس پر مجھے یقیں آیا

میں خود ہی ہجر کا موسم، میں خود وصال کا دن
مرے لیے مرا روزِ جزا یہیں آیا

تسلیوں سے کہاں بارِ زندگی اٹھتا
یقیں تو اپنی وفاؤں پہ بھی نہیں آیا

اِن آنسوؤں کا سفر بھی ہے بادلوں جیسا
برس گیا ہے کہیں، اور نظر کہیں آیا

ابھی تو قرضِ جمالِ حیات باقی ہے!
تو یہ قرار سا کیوں درد کے تئیں آیا!

رچاؤ درد سا، بھیگا ہوا دعاؤں سا
کہاں سے ہو کے یہ جھونکا مرے قریں آیا

ہم اہلِ ہجر ستارہ شناس بھی تو نہیں
حسیں تھے خواب سو ہر خواب پہ یقیں آیا

Scanned by CamScanner

ہوا کے سامنے ہر رنگ کم ادا ٹھہرے
بس اک چراغ کہ ہے شعلہ ء نوا ٹھہرے

وہ روز و شب بھی کہ جن سے شکایتیں تھیں بہت
اب اتنی دور سے دیکھا تو دل کشا ٹھہرے

عجیب آئینہ خانہ ہیں گھر کی دیواریں
کہ دل دُکھے بھی تو اپنا ہی سامنا ٹھہرے

کہ جیسے وقت نے وعدہ کوئی لیا ہی نہ تھا
اُسی کو یاد کیا جس کو بھُولنا ٹھہرے

کڑی تھی دُھوپ ، ہواؤں کی سانس رُکتی تھی
تری گلی تھی جو تیرے برہنہ پا ٹھہرے

Scanned by CamScanner

بہکے ہوئے تھے قدم، انحراف کیا ہوتا
گناہ، طرزِ نگہ، تھا معاف کیا ہوتا

جھکی ہوئی مری آنکھیں، سلے ہوئے مرے لب
اب اس سے بڑھ کے ترا اعتراف کیا ہوتا

خود اپنی وحشت جاں سے وفا نہ کی ہم نے
زمانہ اور ہمارے خلاف کیا ہوتا

دیے تو اَب بھی دیے ہیں وہ بزم ہو کہ حرم
بجھے ہوئے دل و جاں سے طواف کیا ہوتا

ستارہ تھا بھی تو آنسو کا استعارہ تھا
کسی فلک کا یہاں انکشاف کیا ہوتا

لپکتے شعلوں کو بارش بجھا گئی، لیکن
دھواں جو لکھتا رہا ہے وہ صاف کیا ہوتا

وہی غبارِ تمنا، وہی شمیم دعا
تو روز و شب میں مرے اختلاف کیا ہوتا

Scanned by CamScanner

ادا جعفری

ہائیکو

زادِ راہ

یہ دِل آرزو آشنا اور ہیں
راستوں میں مرے رات کالک بھری ایک دیوا سی
زادِ راہِ سفر اک دیا اور ہیں

فاصلے

فاصلے بیکراں
اک کنول رُوپ ہے خواب کی جھیل میں
میں کہاں تو کہاں

وہ لمحہ

اُسے تو ہوش ہی نہ تھا
کھلی ہتھیلیوں پہ جو نصابِ ہجر لکھ گیا
کہ وقت کیسے تھم گیا

آس

دیپک بھی جلا رکھنا
شاید کوئی پردیسی گھر لوٹ کے آجائے
گجرا بھی بنا رکھنا

rekhta

Scanned by CamScanner

تو اور میں

میں بے بہرہ میں انجان
تو اور تیرا انتیکھا گہرا سچّا اُجلا رنگ
اور یہ رنگ مری پہچان

ایک آنسو ہی تھا

ایک آنسو ہی تھا
رات کی جھیل میں اِک ستارہ گرا
کس سے کیا کہہ سکا

نارسائی

مرا حصّہ بس اِک محدود جلوہ ہے
یہ آنکھیں وسعتِ افلاک کی رعنائیوں کو داد کیسے دیں
کہ میں نے آسماں کو روزنِ زنداں سے دیکھا ہے

التماس

نہیں رکو نہیں
یہ سارے خواب تتلیوں سے ہیں
انھیں چھوؤ نہیں

قبیلۂ فراق میں

جو دِل میں ہے نہ کہہ سکیں
کہ اختیار کا رواج ہی نہیں
قبیلۂ فـراق میں

Scanned by CamScanner

اے دلِ بے ہُنر

پھول کی پتیاں نوچ کر
آندھیوں کی گلی میں بچھا دی گئیں
اے دلِ بے ہُنر!

سوغاتیں

اک وحشی رات کی باتیں ہیں
کچھ گہنے گجرے خوشبوؤں کے کچھ روپک دیپک زخموں کے
سب من مانی سوغاتیں ہیں

انتظار کیوں

نہ آسکا قرار کیوں
چراغ موجِ آب کے سپرد کر چکی ہو تم
تو اب یہ انتظار کیوں

مشورہ

دل کو سہج سہج سمجھاؤ
گیلی شاخ دھواں دیتی ہے
غم کو دھیرے دھیرے برتو

Scanned by CamScanner

اندیشے

بس آج رُو برُو نہ ہو
شکستہ آئنوں کے زخم زخم عکس میں
خدا کرے کہ تو نہ ہو

اُس دن

اُس دن آنچل دھانی تھا
اب ریت کے تانے بانے سے اِک چادر بُن کر اوڑھی ہے
وہ پہلا روپ کہانی تھا

بارشوں کے موسم میں

ریت سی برستی ہے
ایک بوند پانی کو بارشوں کے موسم میں
آنکھ کیوں ترستی ہے

کبھو نہ ہو

یہ سانحہ کبھو نہ ہو
کہ میں نمازِ ہجر پڑھ سکوں
اور آنکھ باوضو نہ ہو

بے پناہ

کچھ اور سوچنا گناہ تھا
زمانِ ہجر میں دُعا کا حرف تک نہ یاد آسکا
غم اتنا بے پناہ تھا

rekhta

Scanned by CamScanner

خراج

نہیں ہے جرأت حرفِ تکلّم بھی
کہ دنیا میں قدم دھرتے ہی گروی رکھ چکی ہوں میں
غموں کی شام بھی صبحِ تبسّم بھی

ورثہ

نہیں جیون کی ریکھا اس ہتھیلی میں
ترا ورثہ فصیلِ بے بسی، کربِ تمنا، رنجِ تنہائی
کہ تو پیدا ہوئی اُونچی حویلی میں

مہرباں قاصد

شمیمِ گُل کوئی پیغام سا لائی
کہ جیسے حلقۂ زنجیرِ ہجراں ٹوٹتا جائے
ہوا کیا اس کو چُھو کر میرے پاس آئی

شہرِ جاں

مسافر لمحہ چوکھٹ پر کھڑا ہے
میں اتنا تو جبینِ وقت پر تحریر کر جاؤں
عناصر سے ابھی انساں بڑا ہے

بن باس

سندیسا ہواؤں کا ملنے سے پہلے
لکھا ہے کہ آنکھوں کو صدیوں کا بن باس بھی کاٹنا ہے
نئے پھُول کھلنے سے پہلے

Scanned by CamScanner

برہا

کیا اوس کی آہٹ ملتی ہے
میں سج دھج دیکھوں محلوں کی کوئی اتنا آکے بتا دیتا
کیا اب بھی جوہی کھلتی ہے۔

آئینے

یا صبح ازل ہی اب تک ہے
یا پھول کے اُجلے آنچل میں اک حرفِ دُعا سا موتی ہے
یا ماں کی گود میں بالک ہے

مسافتیں

جو دل ستارہ خو نہ ہو
نہ بادباں کھلے کبھی نہ سائباں ملے کہیں
پناہ چار سُو نہ ہو

جلاوطن

مہکی تھی پڑوا ایک دن
جلتا ہوا یہ دھوپ بن ایسے میں اب کہنا بھی کیا
گوندھا تھا گجرا ایک دن

Scanned by CamScanner